OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-4058
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 162-184

انسانی شخصیت کی مثبت تکمیل کے ضمن میں علماء کرامؒ کی صوفیانہ آراء کا جائزہ

A Review of the Mystic Views of the Scholars about to the Positive Fulfillment of Human Personality

Dr. Sumbal Ashraf

Assistant Professor of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore

Dr Fariha Anjum

Lecturer, Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore

Abstract

In Mysticism, man elevates his spiritual power so much with rising the level of his self that he deems the truth and recognizes God by recognizing himself. In the opinion of most thinkers and Sofia, human being, despite his weaknesses and shortcomings, by dint of his godliness abilities and nature captivation, is at superior positioning than all other creatures of the universe. Its man's rankly obligation that he should fulfill the will of Allah Almighty as His Caliph on the earth, and this is only possible if he recognizes himself. He should understand that his self is righteous and his acquaintance is God's acquaintance. And to attain the acquaintance of God Almighty it's nothing except by losing him in his self and have his acquaintance. The important thing is, if the human personality has to evolve and personality development which means utilizing the hidden potentials of the personality, has to occur, how this would be performed? Within the human personality, there are two opposing, contradictory, and differing elements: the goodness and evilness of human soul. There is a need to nourish the spiritual element and purify the negative element of instinct.

Keywords: Mysticism, Personality Evolution, Self, Soul, Instinct, Scholar's Views.

تمہید:(Prolegomenon)

تصوف روح بندگی اور جمال احسان ہے۔ یہ نور عشق ہے جس سے مومن کا ظاہر اور باطن منور ہوتا ہے۔ یہ نار عشق بھی ہے جو غیر اللہ کے خیال اور اس کی جانب توجہ یا امید رکھنے کی خواہش کو جلا کر مومن کی ہستی کو کندن بناتا ہے۔ یہ مومن کو (یحبّونہم ویحبّونہ) اور (رضی اللہ عنہ) کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ تصوف شریعت کا قالب بھی ہے، قلب بھی ہے۔ تصوف ایک ایسا طور حیات ہے جو خیال، احساس، نفس اور روح کو خشیت اِلٰہی کے رنگ میں رنگ کر غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ تصوف وہ قلب ہے جو {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ}(1) کی صدائے ربانی کا تفقہ کرتا ہے اور {فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ}(2) کے حکم پر نثار ہو کر حیات کو بے معنی اور بے مقصد ہونے سے بچاتا ہے۔ انسانی شخصیت روح، عقل اور بدن کا مجموعہ ہے، لہٰذا قرآن حکیم اس کی نشو وارتقاء کے متعلق جو لائحہ عمل دیتا ہے وہ ان تینوں کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ تصوف دراصل خدا اور رسول کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے۔ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے، پس اسلامی تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ شریعت کے احکام کو انتہائی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بجالانے اور اطاعت میں اللہ کی محبت اور اس کی خشیت کی روح بھر دینے کا نام تصوف ہے۔ یہ انسان کے اندر چار بنیادی چیزوں کی حقیقت وماہیت واضح کرتا ہے ایک تو یہ کہ انسان سے اس کا رزق کوئی چھین نہیں سکتا جس سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے، دوسرے رب باری تعالیٰ عزوجل کی عبادت اسے خود کرنی ہے کوئی دوسرا اس کے لیے عبادت نہیں کر سکتا اس سے وہ عبادت گزار بندہ بن جائے گا، تیسرے انسان کے شعور میں اس بات کا یقین پختہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہر دم اسے دیکھ رہا ہے چنانچہ گناہ سے اسے شرمندگی محسوس ہوگی، چوتھے یہ کہ اس کی تربیت اس انداز میں کی کہ موت کسی بھی وقت آپہنچے گی تو بس انسان نے اللہ تعالیٰ عزوجل سے ملاقات کی تیاری شروع کر دے گا۔ انسانی نفس میں ان چار باتوں کا تیقن اور انسان کا ان باتوں پر عمل پیرا ہونا ہی ایک متوازن شخصیت کی بنیاد ہے اور اصل کامیابی اور حقیقی فلاح ہے۔

تعارف:(Introduction)

مخلوق اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے، اس کی صلاحیتیں بھی دو پہلو رکھتی ہیں اس کی ذات کے اندر دو صلاحیتیں ہیں یعنی اس کی تخلیق کا ایک رخ مادی ہے اس سے مراد وہ خاک ہے جس سے اس کی تخلیق

کی گئی ہے اور دوسرا رخ اس روح کا ہے جو اس کے اندر پھونکی گئی ہے۔ چنانچہ خاک کی صلاحیت اسے شر کی طرف لے جاتی ہے اور روح کی صلاحیت اسے خیر کی طرف لے جاتی ہے۔ اپنی تخلیق کے اعتبار سے یہ خیر و شر اور ہدایت وضلالت دونوں کی طرف جا سکتا ہے اور خیر و شر میں تمیز کرنے کا اختیار بھی اسے عطا کیا گیا کہ وہ اپنے نفس کو خیر کی طرف یا پھر شر کی طرف موڑ دے، یہ اختیار اور صلاحیت از روئے تخلیق اس کے اندر موجود ہے۔ تمام رسولوں کی جدوجہد، اچھے لوگوں کی ہدایات اور خارجہ عوامل اس صلاحیت کو جگاتے ہیں اسے ایک سمت دیتے ہیں خارجہ عوامل اس صلاحیت کی تخلیق نہیں کرتے اسے صرف تیز یا کند کرتے ہیں۔ انسان کی مسئولیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوت عقلیہ اور قوت مدرکہ رکھتا ہے اپنی اس قوت کی بنا پر نفس کے اندر موجود خیر و شر کی صلاحیتوں کو ایک رخ دے سکتا ہے اس آزادی و اختیار کی بنا پر انسان پر ذمہ داری اور فرائض عائد کیئے گئے۔ اللہ عزوجل نہایت رحیم و کریم ہے اس نے انسان کو محض فطری استعداد، عقلی قوت مدرکہ اور فطری ہدایت کے سپرد نہیں کیا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک ہدایت کا مکمل انتظام فرمایا جس ہدایت میں انسان کے لیے مستقل قدریں وضع کی گئیں۔ اللہ عزوجل نے انسان کو تزکیہ نفس اور تطہیر ذات کے لیے بے شمار وسائل عطا کئے اس کے ارد گرد نور کے دریا بہہ رہے ہیں وہ ہر وقت ان میں غسل کر سکتا ہے اور اس کائنات میں معرفت پروردگار کے رواں دواں سر چشموں میں اپنی ذات کی تطہیر کر سکتا ہے۔

☆شخصیت اور اس کی نشو و نما اور ارتقاء

قرآن حکیم اسرار و رموز کا بے پناہ خزینہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اس خزینے کا بنیادی اور اہم موضوع انسان ہے تو لازمی اور بدیہی بات ہے کہ اس نے انسان کی فطرت، نفسیات اور اس کے طرز عمل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ انسانی نفسیات ایک اہم موضوع ہے خصوصاً آج کے دور میں اس نے بہت اہمیت حاصل کر لی ہے، اس سلسلے میں اہل مغرب کی طرف سے مطالعہ کی وسعت کے حوالے سے اپنی ذہانت اور فکری پرواز و بلندی سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ انسانی ہدایت کے لیے نازل کردہ آخری کتابِ مقدس قرآن حکیم انسانی شخصیت کی نشو و ارتقاء اور اس کی صلاحیتوں کے نکھار کے حوالے سے کیا رہنمائی فراہم کرتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اور جامع و اکمل ہے یعنی انسانی حیات کی مکمل رہنمائی کا دین عطا کرتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:{ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى

لِّلْمُتَّقِينَ}(3) "اس کتاب (اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے میں) کوئی شک نہیں پر ہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے"

{الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا}(4)

"آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا"

ان اعلانات سے واضح ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی فلاح و نجات کے لیے اب روز محشر تک یہی ایک واحد راستہ ہے جو ان کے رب نے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے، اس کتاب کا بنیادی موضوع ہی انسان ہے تو سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس کے لیے احکام وہدایات جاری کی گئی ہیں، خود اس کی ذات، وجود کے متعلق کیا نظریہ رکھتا ہے، قرآن حکیم انسان کی پیدائش و فطرت کے متعلق جو نظریہ دیتا ہے اس کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

گوشت پوست کے لوتھڑے کو انسان نہیں کہا جاتا بلکہ جسم اور روح دونوں کے مجموعے کو انسان کہا جاتا ہے، قرآنی ابلاغ کا محور و مرکز انسان ہے، اس کائنات میں انسان کے لیے زندگی گزارنے کے کیا اصول ہیں، ان اصولوں کے انسان کے افعال و اعمال پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں یہ سب قرآنی ابلاغ کا اہم محور ہیں۔ڈاکٹر عثمان نجاتی لکھتے ہیں: قرآن حکیم میں انسانی شخصیت اور اس کی عمومی علامات جو اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز بناتی ہیں، ان کا وصف بیان ہوا ہے نیز انسانی شخصیت کے بعض طرز و نمونے بھی بیان ہوئے ہیں جو بنیادی علامتیں ہوتی ہیں۔یہ طرز اس قدر عام ہیں جنہیں آج بھی ہم اپنے معاشرہ اور عام طور پر تمام انسانی معاشروں میں دیکھ سکتے ہیں، قرآن کریم میں درست شخصیت اور نا درست شخصیت دونوں کا وصف بیان ہوا ہے نیز وہ عوامل بھی بتائے گئے ہیں جو شخصیت کے اندر درستگی اور نادرستگی پیدا کرتے ہیں، انسانی شخصیت کو کو نہایت باریکی کے ساتھ اور صحیح طور پر سمجھنے کے لیے شخصیت کی تحدید کرنے والے مختلف عوامل کا باریک بینی سے مطالعہ ضروری ہے۔ جدید علمائے نفسیات جب ان عوامل کا مطالعہ کرتے ہیں تو عموماً وہ حیاتیاتی، سماجی اور ثقافتی عوامل پر غور کرتے ہیں، حیاتیاتی عوامل کے مطالعہ میں موروثی اثر، جسمانی ساخت اور نظام اعصاب و غدود کی نوعیت کو موضوع تحقیق بناتے ہیں۔ سماجی اسباب کا مطالعہ کرتے ہوئے عموماً بچپن کے تجربات خصوصاً خاندان کے اندر اور والدین کے طرز سلوک پر غور کرتے ہیں، اسی طرح جزوی ثقافت، سماجی طبقات، مختلف سماجی اداروں

اور رفقاء و احباب کی جانب سے شخصیت پر مرتب ہونے والے اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس طرح شخصیت کی تحدید کرنے والے عوامل کو ہم دو بنیادی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک موروثی عوامل جو خود فرد کی ساخت سے نکلتے ہیں اور دوسرے ماحولیاتی عوامل جو خارج کے سماجی و ثقافتی ماحول سے وجود میں آتے ہیں، فرد کی ساخت سے وجود میں آنے والے عوامل کا مطالعہ جب جدید ماہرین نفسیات کرتے ہیں تو ان کی توجہ صرف جسمانی حیاتیاتی عوامل کے مطالعہ تک محدود ہوتی ہے، انسان کے روحانی پہلو سے وہ غافل ہوتے ہیں یا اسے فراموش کئے ہوتے ہیں اور یہی طریقہ سائنسی تجربہ گاہوں میں بحث و تحقیق کا موضوع بننے والی چیزوں کے مطالعہ تک محدودیت کے ان کے علمی اسلوب و نہج سے ہم آہنگ بھی ہے، اسی لیے انسان کے روحانی پہلو اور اس کی شخصیت پر اس کی اثر آفرینی کا مطالعہ جدید ماہرین نفسیات کے ہاں نہیں ملتا۔[5]

☆نفس، روح اور جبلی تقاضوں کی مثبت تکمیل

قرآنی ابلاغ انسانی ساخت کے متعلق بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مادہ اور روح سے انسان کی تخلیق فرمائی تکوین کے متعدد مراحل جیسے سوکھی مٹی سے، گیلی مٹی سے، پھر اسے کھنکھناتی ہوئی مٹی اور پھر اسے ٹھوس پکی ہوئی حالت سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر روح پھونکی اور حضرت آدمؑ کی تخلیق عمل میں آئی ارشار باری تعالیٰ ہے :

{إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِن طِينٍ۔۔فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ}[6]

”جب کہ آپ ﷺ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا“

{وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ۔۔فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُواْ لَهُ سَاجِدِينَ}[7]

”اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو کالی اور سڑی ہوئی مٹی سے بنانے لگا ہوں۔ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا“

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: قرآن کریم میں ”روح“ کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے جن آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے، وہاں روح کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی

روح ہے جس کے ذریعہ انسان کے اندر بلند صفات اور حق سے تعلق کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ مزید لکھتے ہیں: وہ ایسا عالی عنصر ہے جن میں بلند امور اور پاکیزہ صفات سے آراستگی کی صلاحیت شامل ہوتی ہے وہی حیوانی سطح سے اوپر اٹھنے کی صلاحیت انسان میں پیدا کرتی ہے، زندگی کے تمام بلند مقاصد اور اعلیٰ منزل متعین کرتی ہے، طریقہ کار کے خدوخال طے کرتی ہے اور س کی بشریت کے اندر ان اقدار و معارف سے استفادہ کی رغبت پیدا کرتی ہے جو اسے انسان کی حقیقت عطا کرتے ہیں۔[(8)]

ڈاکٹر عثمان نجاتی روح کے متعلق لکھتے ہیں: تکوین و تشکیل کی اس نوعیت کی وجہ سے انسان دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے، بیشتر جسمانی خصوصیات اور حفظ و بقاء، ذات کے محرکات و تاثرات اور تعلم وادراک کی قدرت میں تو وہ حیوان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، لیکن روح کی خصوصیات اس کا امتیاز ہیں جو کہ اللہ تعالی کی معرفت و عبادت اور کمال انسانی کے بلند معیاروں تک پہنچانے والے فضائل اور اعلیٰ اقدار کا شوق اس کے اندر پیدا کرتے ہیں، اسی خصوصیت کے باعث اسے خلافت ارضی کا اہل قرار دیا گیا۔ مختصراَ یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو حیوان سے ممتاز کرنے والی چیز اللہ تعالی کی طرف سے وہ روشنی ہے جس نے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس پر ایمان، اس کی عبادت، علوم کی تحصیل اور کائنات کی تعمیر میں ان کا استعمال اور اپنے انفرادی و اجتماعی سلوک و عمل میں اعلیٰ اقدار و فضائل کی پابندی کی خصوصیات سے نوازا ہے۔[(9)]

رحم مادر میں انسانی اعضاء ترتیب پانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس میں روح پھونک دیتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ارشاد ہے:

{قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي}[(10)] ”کہہ دیجئے روح امر ربی (اللہ تعالیٰ کا حکم) ہے“

سائنسدان تاحال روح کی حقیقت دریافت نہیں کر سکے، ڈاکٹر عبد الرشید لکھتے ہیں: سائنسدان اپنی پوری کوشش و جدوجہد کے باوجود اس چیز کو دیکھنے یا اس کی نوعیت کو سمجھنے کے قابل نہیں ہو سکے کیونکہ وہ مادی شے نہیں ہے اور انسان اس پر کسی بھی نوع کا ضبط نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ شے روح ہے اور اس کا تعلق امر رب سے ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی جسم سے منسلک رہتی ہے تو جسم زندہ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی وہ جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے جس سے جسم مردہ اور بے کار ہو جاتا ہے اور زندہ انسانوں کے درمیان رہنے کے قابل نہیں رہتا گویا زندہ انسانی جسم کی بنیادی خصوصیت اس کا اور اس کے اجزاء و اعضاء کا کارآمد ہونا ہے اور روح انہیں کارآمد بناتی ہے۔[(11)]

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں روح کی تفصیلی کیفیات کا ذکر نہیں فرمایا بس اسے اپنا امر قرار دیا۔ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: انسان کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ روح امر ربی ہے اور اس کے جسم میں آنے سے زندگی ملتی ہے اور جسم سے باہر نکل جانے پہ زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بہر حال قرآنی الفاظ میں عمیق حقائق مستور ہیں، حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق جو (امر ربی) کا فرمایا گیا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کج رو معاندین کے لیے کافی ہے، لیکن اس سطح کے علاوہ ان مختصر الفاظ کی تہہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ، نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہ طلب و تحقیق کے لیے چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ [(12)]

علی اکبر منصور لکھتے ہیں: قرآن حکیم چونکہ حکمت کی ایک جامع کتاب ہے، اس مقدس کتاب کو بجا طور پر سائنسدانوں کے لیے ایک سائنسی درسگاہ اور شعر و ادب، تاریخ، قانون اور قانون سازی کے لیے ایک دائرہ معارف قرار نہیں دیا جا سکتا ہے، قرآن کریم انسانی فطرت اور کائنات کے متعلق ایک مربوط نقطہ نظر پیش کرتا ہے، وہ انسان کی استقرائی عقل کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس پر نفس اور کائنات کی آگہی کے در وا کرتا ہے۔ قرآن حکیم انسانوں کو مختلف ذہنی اور جسمانی استعدادوں کے مجموعے کے طور پر بیان کرتا ہے، جس کے لیے وہ نفس کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ انسانی نفس کی تعمیری اور تخریبی قوتوں کا بیان ہے انسان اور ماحول کے تعامل سے ان قوتوں کی حرکتیت (Dynamism) جنم لیتی ہے اور اسی کشمکش اور حرکتیت سے انسانی شخصیت نشو و نما پاتی ہے۔ [(13)]

قرآن حکیم انسانی نفس کو تین درجات میں تقسیم کرتا ہے۔ 1: نفس امارہ، 2: نفس لوامہ، 3: نفس مطمئنہ۔

1 : نفس امارہ: یہ نفس کا ایسا درجہ ہے جس میں انسان کا وجود اس کی اپنی ذات اور خارجی ماحول کے لیے انتشار (Disorder) کی علامت بن جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا۔۔أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا}[(14)]

''کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں''

{وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّيَ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ}(15)

"میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے یقینا میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے "

قرآنی ابلاغ ان آیات کریمہ میں انسان کی زندگی کے جس درجہ کا ذکر کر رہا ہے اس میں انسان کی حیات اس سطح پر گزرتی ہے کہ اس کی شخصیت ناپختہ رہ جاتی ہے، وہ ایسے بچے کی مانند ہو جاتا ہے جسے صرف جسمانی ضروریات، خواہشات پوری کرنے کی فکر ہو، ارادہ میں کسی قسم کی کوئی پختگی موجود نہ ہو اور نہ ہی خواہشات و شہوات پر قابو پا سکتا ہو، ایسا انسان خواہشات کے پیچھے بھاگتا چلا جاتا ہے اور اپنے "برائی پر آمادہ کرنے والے نفس"(نفس امارہ) کا غلام بن جاتا ہے۔

2 :نفس لوامہ: اس سطح پر انسان کی تخریبی اور تعمیری قوتوں میں شدید کشمکش ہوتی ہے اور انسان پر کبھی مثبت اور کبھی منفی عناصر غالب آتے رہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

{لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ۔۔وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ}(16)

"میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو"

انسان جب کمال انسانی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے تب اس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے جو اسے شہوات و خواہشات کی غلامی اور دنیاوی لذتوں پر اسے متنبہ کرتا رہتا ہے، اسے گناہوں کا احساس دلاتا اور کوتاہی و غلطی پر ملامت کرتا ہے اور انسان تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یہ کیفیت "نفس لوامہ"(ملامت کرنے والے نفس) کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے۔

3:نفس مطمئنہ: اس درجہ میں مثبت اور منفی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جاتا ہے انسان جب مخلص بن کر توجہ کر لیتا ہے دل سے عبادات و نیک اعمال بجالا کر تقرب الٰہی حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے گریزاں ہو کر اپنی خواہشات و شہوات پر بھرپور کنٹرول رکھتا ہے اور شریعت کی طے کردہ حدود میں رہ کر ان کی تکمیل کرتا ہے تو وہ اپنی جسمانی ضروریات اور روحانی تقاضوں کے درمیان مکمل توازن پیدا کر لیتا ہے اور انسانی کمال کے اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے یہی وہ

مقام ہے، جہاں انسانی نفس کو سکون و اطمینان کی کیفیت نصیب ہوتی ہے اور "نفس مطمئنہ" کا وصف اسے راہ راست پر لے آتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ○ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○فَادْخُلِي فِي عِبَادِي○وَادْخُلِي جَنَّتِي}(17)

"اے اطمینان والی روح۔ تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں چلی جا"

نفس کے ان تینوں مفاہیم نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ کا تصور اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ یہ تین حالتیں ہیں جن سے انسانی شخصیت مادی و روحانی پہلو کی اندرونی کشمکش سے گزرتے ہوئے انسانی کمال کے مختلف معیارات سے آراستہ ہوتی ہے، چنانچہ جب انسانی شخصیت اپنے ادنیٰ معیار پر ہوتی ہے جہاں خواہشات و شہوات اور دنیاوی لذات کا اس پر قبضہ ہوتا ہے، نفس امارہ کی حالت اس پر منطبق ہے۔ جب شخصیت انسانی کمال کے اعلیٰ معیار پر پہنچ کر روح و جسم کے تقاضوں کے درمیان کمال ہم آہنگی اور توازن قائم کر لیتی ہے تو نفس مطمئنہ کا وصف اس پر راست آتا ہے ان دونوں معیاروں کے درمیان ایک متوسط معیار ہے جس میں انسان اپنی غلطیوں کا محاسبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی غضب ناکیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنی کوشش میں ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتا، بسا اوقات غلطی کا شکار بھی ہو جاتا ہے اس معیار میں شخصیت پر نفس لوامہ کا وصف منطبق ہوتا ہے۔

☆ مسلم سکالرز کے افکار

اب ہم چند مسلم سکالرز کی آراء کا مختصر جائزہ پیش کریں گے کہ یہ حضرات انسانی شخصیت کو کس انداز میں دیکھتے ہیں، انسانی نفس، روح اور اس کے جبلی تقاضوں کی تکمیل کیونکر ممکن ہے۔

1: امام غزالیؒ (450ھ تا 505ھ)

امام غزالیؒ نفس کی تعریف یوں کرتے ہیں :

"الجوهر القائم فی الانسان من حیث هو حقیقته"(18)

"یعنی یہ انسان میں موجود وہ جوہر ہے جو اس کی اصل حقیقت ہے "

امام غزالیؒ کا روح کے متعلق نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ جوہر وہی ہے جسے فلاسفہ نفس ناطقہ کہتے ہیں، قرآن کریم میں اسے نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور صوفیاء اسے قلب کہتے ہیں یہ سب ایک ہی

حقیقت کے مختلف نام ہیں، جو انسانی نفس کی مختلف کیفیات کے مظہر ہیں ورنہ ان کا مدلول درحقیقت ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے انسان اور اس کی شخصیت جس کا اظہار وہ "میں" سے کرتا ہے۔[19]

بعض اوقات امام غزالیؒ نفس کا لفظ اس مفہوم میں بھی استعمال کرتے ہیں جو صوفی ادب میں اس کے لیے مخصوص ہے، یعنی محل صفات مذمومہ اور رذائل اخلاق جس کے خلاف مجاہدہ کرنا اور اس پر غالب آنا صوفیاء کے نزدیک عین مطلوب ہے۔

امام غزالیؒ نے نفس کے جو مفاہیم دیے ہیں ان میں معنی کے لحاظ سے کوئی مطابقت موجود نہیں ہے، اس فرق کو سمجھنے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو دونوں کے مدلول کا وضاحت کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے۔ امام غزالیؒ کے ہاں "قلب" کا لفظ گوشت کے اس لوتھڑے کے لیے بولا جاتا ہے جو سینے میں بائیں جانب واقع ہے اور جو منبع حیات واحساس ہے اس لیے اسے روح حیوانی بھی کہتے ہیں، (حیوان بمعنی جاندار یعنی وہ لطیفہ جو مصدر جان اور زندگی ہے) یہ قلب انسانوں کی انفرادی خصوصیت نہیں بلکہ یہ ہر جاندار میں پایا جاتا ہے۔[20]

انسانی قلب کے متعلق ایک اور جگہ لکھتے ہیں: قلب انسانی جسم میں جب تک دھڑکتا رہتا ہے حواس قائم اور زندگی رواں دواں رہتی ہے اور اس کے کام چھوڑ دینے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے، قلب کے دوسرے معنی اس روح کے ہیں جو امر ربی ہے جو اس جسم خاکی میں اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس نے عہد الست میں {أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ}[21] کے جواب میں {بَلٰى} کہہ کر توحید کا اقرار کیا تھا جس میں فطرت کا علم بالقوۃ موجود ہے۔ امام غزالی اس لفظ کو نفس کے بھی مترادف قرار دیتے ہیں اس کے ساتھ قلب کو صوفیاء کے ہاں متداول مفہوم کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں یعنی نفس (محل صفات مذمومہ) کے برعکس محل صفات محمودہ اور محل حقائق ماوراء الطبیعیات جن تک انسان کی رسائی اس وقت ہوتی ہے جب جسم اور حواس کے تقاضوں پر غالب آکر قلب انسانی نور معرفت حق سے منور ہو جاتا ہے۔

امام غزالیؒ روح کو نفس اور قلب کے مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاہم وہ روح ربانی اور روح حیوانی میں فرق بھی کرتے ہیں، روح حیوانی کا منبع قلب جسمانی کو قرار دیتے ہیں جو شریانوں کے ذریعے اسے جسم کے مختلف حصوں تک پہنچاتا ہے جو سبب حیات ہے اور ظاہری حواس اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں اس کی مثال وہ شمع سے دیتے ہیں جس کی روشنی سارے گھر کو منور کرتی ہے ان کے نزدیک قلب کی جسمانی فعلیت ہی حرارت غریزہ کا سبب بنتی ہے۔[22]

ایک اور جگہ روح کے متعلق لکھتے ہیں: روح ہی اعصاب و عضلات میں حرکت کا جادو جگاتی ہے۔(23)

امام غزالیؒ کے ہاں روح کا ایک اور تصور نفس ناطقہ کا بھی ہے۔(24)

نفس ناطقہ کو بعض حالات میں وہ قلب بھی کہتے ہیں یہ روح ان کے نزدیک وہ لطیفہ ہے جو نہ تو جسم ہے نہ ہی عرض ہے بلکہ امر ربی ہے اور جوہر قائم بالذات ہے، اسے جسمانی عوارض لاحق نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ فنا ہو گی بلکہ جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور اس میں واپسی کی منتظر رہتی ہے، روح حیوانی اور جسم کی دوسری قوتیں گویا اس لطیفہ روح (روح ربانی) کے ماتحت ہیں کہ جس طرح وہ چاہتا ہے انہیں استعمال کرتا ہے یہ مادی جسم سے الگ چیز ہے اور امر ربی ہونے کی وجہ سے قدرت باری تعالیٰ کا ایک جزو ہے۔(25)

امام غزالی کے نزدیک عقل کا لفظ بھی تین معنوں میں مستعمل ہے ایک یہ کہ اس کا مقصود علم الحقائق ہے جس کا محل قلب ہے لیکن اسے عموماً عقل ہی کہا جاتا ہے، اسے یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ علم الحقائق عقل کا نتیجہ اور ثمر ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے مقصود وہ لطیفہ (یعنی قلب) ہے جو ادراک علم کی صلاحیت رکھتا ہے، اس معنی میں فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقل مخلوق اول ہے (ظاہر ہے کہ علم کوئی حسی چیز نہیں ہے کہ اسے مخلوق اول گردانا جائے) عقل کا لفظ اس وسیع مفہوم نفس ناطقہ کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہےِ الّا یہ کہ نظریہ صدور پر بحث کے وقت تو افلاطونی فلسفہ میں دیگر مصطلحات استعمال ہوتی ہیں یا علم کو وظیفہ عقلی سمجھتے ہوئے اسے اول الذکر مفہوم میں لیا جا سکتا ہے، عقل کا ایک تیسرا استعمال بھی ہے جو کہ تصوف و صوفی ادب میں رائج ہے یعنی وہ لطیفہ جو نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اسے برائیوں پر ٹوکتا ہے۔(26)

جبلی تقاضوں کی تکمیل: امام غزالی کے نزدیک جبلی تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرنا یا ان تقاضوں کی مکمل نفی کرنا یہ دونوں طریقے ہی غلط، نقصان دہ اور انتہا پسندی پر مشتمل ہیں، کیونکہ پہلے طریقہ پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرشتہ بننے کی کوشش کرے حالانکہ نہ تو اصلاً وہ حیوان ہے اور نہ ہی فرشتہ ہے بلکہ انسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم و ارادہ اور اختیار سے نوازا ہے جن سے فرشتے اور حیوان دونوں ہی محروم ہیں، لہٰذا اس کی بہتری اسی میں ہے کہ نہ تو وہ ان جبلی تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرے اور نہ ہی ان کا غلام بن جائے اور نہ ہی نفس کشی کے راستے پر چل پڑے کہ ان کو پورا کرنے سے انکار کر دے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ ضبط سے کام لے اور افراط و تفریط کے

درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرے ان کے نزدیک جب تک انسان حیات ہے جبلی تقاضے تو اس کے ساتھ لگے ہی رہیں گے۔ (27)

ان جبلی تقاضوں سے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی آزاد نہیں ہیں، عام انسان کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (28)

لہٰذا ان کی نفی کرنے کی بجائے ان کو کمزور کرنا چاہیئے تا کہ انسان ان پر غالب آ جائے (نہ کہ یہ انسان پر غالب آ جائیں) اور آخرت کی کامیابی کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے کام لے، ان تقاضوں کے پورا کرنے پر چونکہ جسم کی بقاء اور صحت کا دارومدار ہے اور آخرت کی کامیابی کا دارومدار بھی اس پر ہے کہ جسم قوی اور معتدل رہے تا کہ آخرت کے سفر میں انسان کے کام آئے۔ (29)

امام غزالی انسانی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ان محرکات کی تقسیم کچھ یوں کرتے ہیں بہیمیہ، سبعیہ، شیطانیہ اور ربانیہ۔ بہیمیہ سے مراد جانوروں جیسے میلانات جیسے معدہ اور جنس کی بھوک مٹانا، اس سے جو استعدادات اور اخلاقی عادات بنتی ہیں وہ بے حیائی، خباثت، فضول خرچی، بخل، فحش گوئی، حرص، لالچ اور خوشامد وغیرہ ہیں۔ سبعیہ سے مراد درندوں جیسے میلانات ہیں جیسے بغض، عداوت اس سے غصہ، غلبہ اور استحصال جیسی عادتیں بنتی ہیں۔ شیطانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جو بہیمیہ اور سبعیہ کے یکجا ہونے سے بنتے ہیں جن سے حیلہ، مکر و فریب اور دغابازی جیسے اطوار پروان چڑھتے ہیں۔ ربانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں کہ جن کے تحت انسان اپنے اندر اُلوہی صفات کا طلب گار بنے جیسے: کبر و فخر، مدح پسندی، حُب جاہ اور حُب بقاء و دوام اور اس کے ساتھ ہی حُب علم و حکمت اور یقین۔ (30)

2 :امام فخر الدین رازی(1149/1209)

امام رازی کے نزدیک نفس کے تین قویٰ ہیں، قوائے نباتیہ، قوائے حیوانیہ اور قوائے انسانیہ۔ قوائے نباتیہ وہ ہیں جو جسم کو بڑھاتے ہیں اور اس کی نشوونما کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں ان کے تحت سات طرح کی قوتیں ہیں۔ 1: قوت غازیہ، 2: قوت ماسکہ، 3: قوت متعرفہ، 4: قوت دافعہ، 5: قوت متحللہ، 6: قوت نامیہ، 7: قوت مولدہ۔ قوت حیوانیہ کے تحت دو قوتیں ہیں قوت مباشرہ اور قوت باعثہ۔ پھر قوت باعثہ (جو کسی کام کا سبب بنتی ہیں) کے کئی مراتب ہیں، ارادۂ جازمہ، شوق جازم، شعور مختلق اور شعور فکری۔ قوت مدرکہ کی بھی دو اقسام ہیں: قوت ظاہرہ اور قوت باطنہ۔ قوت ظاہرہ کے تحت حواس خمسہ آتے ہیں، یعنی دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، جبکہ قوت باطنہ میں حس مشترک، وہم،

خیال، حافظہ اور متعرفہ یا مفکرہ داخل ہیں۔ قوائے انسانیہ میں دو طرح کی قوتیں کام کرتی ہیں نظریہ اور عملیہ۔(31)

امام رازی نفس سے مراد روح لیتے ہیں اور اس بات کو قرآنی استدلال سے ثابت بھی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں نفس اور جسم ایک دوسرے سے الگ نوعیت کے وجود ہیں، پھر ان دونوں کے باہمی تعلق پر بحث کرتے ہیں۔ یہاں وہ کہتے ہیں کہ نفس کا تعلق سب سے زیادہ دل کے ساتھ قائم ہے اور اس کے ذریعے وہ سارے جسم پر حکمرانی کرتا ہے کیونکہ دل جسم میں رئیس اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ جالینوس اور اس کے متبعین کی اس رائے کو رد کرتے ہیں کہ انسانی نفس درحقیقت تین نفوس (نفس شہوانیہ، نفس غضبیہ، اور نفس ناطقہ) کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ ارسطو کے نظریہ کو درست گردانتے ہوئے نفس کی وحدت کلی کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک ان تین قوتوں کی حیثیت نفس کے ماتحت کام کرنے والے کارندوں کی ہے۔ اپنے مؤقف کی حمایت میں انہوں نے آٹھ عقلی اور چھ نقلی دلیلیں قرآن و سنت سے پیش کی ہیں اس کے بعد انہوں نے مخالفین کے دلائل کا جائزہ لیا ہے اور ان کے ایک ایک استدلال کو پیش کر کے ان کا رد کیا ہے۔(32)

قوائے نفس کے جوہر نفس کے ساتھ تعلق کو امام رازی نے پانچ امثلہ سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوہر نفس کا بادشاہ ہے اور بدن اس کی مملکت ہے، اس مملکت کے دو لشکر ہیں ایک لشکر تو وہ ہے جسے دیکھا جا سکتا ہے (حواس ظاہرہ) لیکن دوسرا لشکر وہ ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا (قوائے باطنہ)۔(33)

قلب کی حیثیت بدن میں والی کی ہے قویٰ اور اعضاء بمنزلہ ملک کے ہیں، قوت عقلیہ مشیر ہے، قوت شہوانیہ اس غلام کی طرح ہے جو غذا اور کھانے کا انتظام کرتا ہو اور قوت غضبیہ کی حیثیت پولیس کمشنر کی ہے۔(34)

بدن ایک شہر ہے نفس ناطقہ اس کا بادشاہ ہے، حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ دو لشکروں کی طرح ہیں، اعضاء رعیت ہیں اور قوت شہوانیہ اور غضبیہ ان دو اشخاص کی طرح ہیں جو رعیت کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔(35)

نفس ناطقہ اس شہسوار کی طرح ہے جو شکار کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو قوت شہوانیہ اس کا گھوڑا ہے اور قوت غضبیہ اس کا شکاری کتا ہے۔(36)

بدن ایک ایسے مکان کی طرح ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو، جس کی دیواریں مضبوط ہوں اور اس میں خزانہ محفوظ ہو، اس کے دروازے کھلے ہوں اور اس میں ہر وہ چیز موجود ہو جس کی گھر والوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔ سر اس کمرہ کی طرح ہے جو گھر کی بالائی منزل پر واقع ہو، دماغ کمرہ میں منبع نور کی حیثیت رکھتا ہے، آنکھیں کمرہ کے دروازوں کی مانند ہیں، ناک اس طاقچہ کی طرح ہے جو دروازہ کے اوپر ہو، ہونٹ دروازہ کے دوپٹ ہیں، دانت دربان ہے، زبان حاجب ہے، پیٹھ قلعہ کی مضبوط دیوار ہے اور چہرہ گھر کے سامنے والے حصہ کی طرح ہے۔ ان امثلہ میں امام رازی نے نہ صرف نفس (روح)، جسم، قلب، عقل، اور قوائے نفس کے درمیان تعلق کو خوبصورتی سے واضح کیاہے بلکہ بالواسطہ یہ بھی بتایاہے کہ ان کی حیثیت مملکت بدن کے رؤساء کی ہے اور نفسی قوتوں کا صحیح استعمال ان کی ذمہ داری ہے۔(37)

3 :شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (1703 / 1763ء)

شاہ صاحبؒ کے نزدیک روح کے دو تصورات ہیں یایوں کہیئے کہ روح کی دو اقسام ہیں، ایک تو وہ روح جو بدنی اخلاط سے پیدا ہوتی ہے اور مبداء حیات ہے اسے وہ نسمہ یا روح ہوائی (روح حیوانی) کہتے ہیں، دوسرے وہ غیر مادی لطیفہ جسے وہ نفس ناطقہ یا روح انسانی یا روح ملکوتی کہتے ہیں۔ "نسمہ" سرسری نظر میں روح کی یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ حیوانات کے لیے وہ ان کی زندگی کا سرچشمہ ہے، جب تک کسی حیوان کے اندر روح ہے وہ چلتا پھرتا ہے اور اس سے اختیاری حرکات صادر ہوتی ہیں، جب روح اس سے رخصت ہو جاتی ہے، تو اس کے تمام قویٰ اور حواس معطل ہو جاتے ہیں اور وہ مردہ کہلاتا ہے۔ درحقیقت جسم میں ایک لطیف بخار ہوتا ہے جو قلب کے اندر خلاصۂ اخلاط سے پیدا ہوتا ہے، قوائے حس و حرکت اور قوائے تغذیہ کا وجود اور ان کے عمل کا قائم رہنا اس لطیف بخار کے وجود سے وابستہ ہے اسے 'نسمہ' کہتے ہیں۔ یہ وہ روح ہے جس میں طبیب تصرف کر سکتے ہیں کیونکہ یہ بخار لطیف ایک مادی چیز ہے، تجربات نے اس چیز کی تصدیق کی ہے کہ اگر کسی مرض یا دوا کے کھانے سے اس بخار کی کیفیت میں فرق آجائے تو اعضاء کے افعال و قویٰ میں بھی اسی نسبت سے تغیر پیدا ہو جاتا ہے، یہ روح سارے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے جیسے پھول میں خوشبو اور کوئلے میں آگ اور حرارت۔

• روح بشر: یہ ایک غیر مادی لطیف شے ہے جو نسمہ سے تعلق پیدا کر لیتی ہے بلکہ نسمہ کی حیثیت اس کے لیے سواری کی سی ہے۔ روح حقیقی بدن اور نسمہ دونوں سے ایک الگ شے ہے، اس بات کے اثبات کے لیے شاہ صاحب یہ دلیل دیتے ہیں کہ وقت کے ساتھ بدن بھی بدل جاتا ہے اور نسمہ بھی، بچپن سے

بڑھاپے تک انسان کی شکل و صورت میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، خلیات بدل جاتے ہیں، انسان کی صفات بھی بدل جاتی ہیں، مثلاً پہلے جاہل تھا تو اب عالم ہو گیا، لیکن بدن اور اوصاف کی ان تبدیلیوں کے باوجود زید سال کی عمر میں بھی زید ہی ہوتا ہے اور ستر سال کی عمر میں بھی زید ہی ہوتا ہے، جو چیز ان تغیرات کے باوجود زید کو زید رکھتی ہے وہ روح حقیقی ہے جو ایک غیر مادی شے ہے (جسے آج کی اصطلاح میں شخصیت بھی کہا جا سکتا ہے)۔ بدن، نسمہ اور روح حقیقی میں تعلق یہ ہے کہ بدن نسمہ کی سواری ہے اور نسمہ روح کی ہے یعنی نسمہ بدن میں تصرف کرتا ہے اور روح نسمہ میں کرتا ہے۔ بدن خالصتاً مادی شے ہے اور روح خالصتاً غیر مادی شے ہے اور نسمہ ان دونوں کے بین بین ہے، بدن فنا ہو جاتا ہے لیکن نسمہ اور روح فنا نہیں ہوتے، نسمہ چونکہ انسانی افعال کا نمائندہ اور مظہر ہوتا ہے اس لیے جزا اور سزا اسی پر وارد ہوتے ہیں۔[38]

شاہ ولی اللہؒ شخصیت کے خیر و شر کے دونوں پہلوؤں کے متعلق نہایت دلچسپ بحث کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: انسانی اعمال کا منبع نسمہ ہے جو ایک طرف مادہ (بدن) سے وابستہ ہے اور دوسری غیر مادی (روح ملکوتی) سے ہے۔ بدن کی احتیاجات مادی اور جسمانی ہیں اور یہ وہی ہیں جو دیگر حیوانات کی ہیں جن میں عقل کی بجائے نفس اور قلب (یعنی بنیادی جبلتوں) کا غلبہ ہوتا ہے جیسے بھوک اور جنس اور جذبات (مثلاً غصہ اور محبت وغیرہ) کا ہے۔ دوسری طرف روح حقیقی ہے جو کہ امر ربی ہے، اس کے تقاضے جسمانی کی بجائے علوی اور ملکی ہیں جن میں نفس اور قلب کی بجائے عقل کا غلبہ ہوتا ہے نسمہ میں اول الذکر رجحان کو وہ بہیمیت (حیوانی خصوصیات) اور دوسرے کو ملکیت (ملائکہ جیسی خصوصیات) کہتے ہیں ۔ عام زبان میں انہیں خیر و شر کہا جا سکتا ہے، بہیمیت اور ملکیت یا دوسرے الفاظ میں خیر و شر کی کیفیت (شدت میں کمی و بیشی) اور کمیت (مقدار میں کمی و بیشی) میں شاہ صاحب نے انسانوں کی آٹھ اقسام کی ہیں پھر ان میں کمی و بیشی سے ان کے اعمال و اخلاق میں جو تفاوت ہوتا ہے اسے ظاہر کیا ہے۔ انسان میں دو طرح کی قوتیں یا استعدادیں ہیں ایک قوت ملکیہ اور دوسری قوت بہیمیہ۔ یعنی انسان میں موجود نسمہ روح ہوائی سے عبارت ہے یہ روح ہوائی (Pseudo Soul) جسم میں طبعی عناصر کے عمل اور رد عمل سے پیدا ہوتی ہے، ان سے بالاتر نفس ناطقہ جب نسمہ پر تصرف کر رہا ہوتا ہے تو یہ دو رجحان رکھتا ہے۔ ایک رجحان انسان کو بھوک، پیاس، شہوت، غضب، حسد، خوشی جیسے جبلی تقاضوں کی طرف مائل کر دیتا ہے کہ انسان پھر انسان نہیں رہتا بلکہ حیوان بن جاتا ہے۔ نفس ناطقہ کا دوسرا رجحان انسان کو فرشتوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اس حالت میں وہ حیوانی تقاضوں سے رہائی حاصل کر لیتا ہے، اس کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مادی کائنات سے ماوراعالم تجرد سے اس پر انکشافات و سرور کا نزول اور الہامات کا فیضان ہوتا ہے، اگر یہ الہامات قدرتی حقائق کے انکشافات سے متعلق ہوں تو ان سے دنیا میں علوم طبیعہ کی بِنا پڑتی ہے اگر یہ الہام کسی نئے نظام کو شروع کرنے اور اس کو رواج دینے سے متعلق ہوں تو وہ شخص جسے یہ الہامات ہوتے ہیں ان کاموں کو اسی طرح کرتا ہے گویا کہ وہ ان کے لیے اوپر سے معمور ہے اور خود اس کو ان کاموں کی خواہش نہیں ہے۔ نفس ناطقہ کے نسمہ پر تصرف سے دو رجحان پیدا ہوتے ہیں، علوی اور سفلی۔ انسان پر جب سفلی رجحانات کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ سر تا پا حیوانیت اور بہیمیت کا پیکر بن جاتا ہے اور اس میں علویت اور ملکیت کا اثر باقی نہیں رہتا۔ جب علوی رجحان غلبہ پاتا ہے تو انسان بالکل فرشتہ بن جاتا ہے اور اس میں بہیمیت سرے سے غائب ہو جاتی ہے۔ انسان کی یہی طبعی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اسے چند باتوں کے کرنے اور چند باتوں کے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے اس معاملہ میں چوپایوں اور فرشتوں کی طرح آزاد نہیں چھوڑا گیا۔(39)

انسانی اعمال کی بنیاد اور وجوہات کے متعلق شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: انسانی اعمال کی بنیاد اور ان کے وجود میں آنے کا حقیقی محرک اس کے خیالات ہوتے ہیں جنہیں خواطر کہا جاتا ہے، ان خواطر کے پیدا ہونے کے پانچ اسباب ہیں :

1: اللہ تعالیٰ نے جیسی انسانی جبلت اور فطرت بنائی اور جس میں کوئی بنیادی تغیر واقع نہیں ہوتا۔

2: انسان کا طبعی مزاج جس میں ماحول کی وجہ سے تغیر پیدا ہو سکتا ہے، نوجوانوں اور بوڑھوں کے اخلاق میں گوشت خور اور سبزی خور اقوام کے رویوں میں اور سرد و گرم موسم کے ممالک کے لوگوں کی عادات میں جو فرق ہوتا ہے وہ اس کا پرتو ہے۔

3: عادات، مالوفات یعنی جو عمل کوئی شخص کثرت کے ساتھ بار بار کرتا ہے تو اس سے اس کے اندر ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس عمل کے مناسب حال ہوتا ہے، چنانچہ اس کے خیالات اور خواطر کا بھی ادھر ہی میلان رہتا ہے۔

4: القاء رحمانی یعنی نفس ناطقہ جب بہیمیت سے آزاد ہوتا ہے تو وہ اپنی استعداد کے مطابق ملاءاعلیٰ سے کوئی ہیئت نورانیہ اخذ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس سے کسی عمل کے کرنے کا عزم مصمم اس سے ظہور میں آتا ہے۔

5: القاء شیطانی یعنی بعض نفوس شیاطین کا اثر قبول کر لیتے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔(40)

ڈاکٹر محمد امین شاہ ولی اللہؒ کے ان پانچ نکات کے متعلق کہتے ہیں: شاہ صاحب کے جو یہ آخری دو نکات ہیں ان کو آج کی زبان میں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ملائکہ (جو خیر و نیکی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مظہر ہیں) اور شیاطین (جو شر و بدی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مظہر ہیں) کے پاس اپنا اپنا براڈ کاسٹنگ سٹیشن ہے۔ جس سے اول الذکر گروہ نیکی کی اور ثانی الذکر گروہ بدی کی لہریں جاری کر رہا ہے، اب جو نفوس ملکی رجہانات رکھتے ہیں وہ نیکی کی لہروں کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور جو نفوس بدی اور شر کے رجحانات رکھتے ہیں وہ بدی کی لہروں کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں، پھر جس طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اسی طرح کے ارادے بنتے ہیں اور جس طرح کے ارادے بنتے ہیں اسی طرح کے اعمال وجود میں آتے ہیں۔(41)

ہم نے ابھی ان جید علمائے کرام کے نظریات و افکار کا مختصر جائزہ لیا کہ یہ انسان کے نفس، روح اور اس کے جبلی تقاضوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، ان کے افکار ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں مگر یہ انداز بیان کی حد تک ہیں، وگرنہ اصولی اور بنیادی بات جو ان سب میں مشترک ہے وہ اس طرح بیان کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق بہترین انداز میں کی اور اس کی فطرت میں خیر و شر دونوں طرح کے رجہانات رکھے ہیں، ایک رجہان اسے اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتا ہے تو دوسرا اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے۔ اور جہاں تک انسان کے جبلی تقاضوں کا تعلق ہے تو اسلام کہیں بھی ان کا انکار نہیں کرتا نہ ہی ان کو منفی جذبات قرار دیتا ہے، بلکہ انسان کو صرف انہی کو اپنی حیات کا نصب العین بنالینے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کیونکہ انسان جب بے جا خواہشات و شہوات کے لیے دیوانہ ہو جاتا ہے تبھی وہ اپنے اندر کی اچھائی کو فراموش کر کے نافرمانی پر تیار ہو جاتا ہے ان خواہشات کو قرآنی ابلاغ "ھویٰ" کے نام سے موسوم کرتا ہے اور مختلف مقامات پر ان کی تعداد بھی مختلف بتاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاء وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ}(42)

"مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے جیسے عورتیں، بیٹے، سونے، چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے، اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی"

{إِنَّمَا الحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ}(43)"واقعی دنیا کی زندگی تو صرف کھیل کود ہے"

{اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ}(44)"خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ اور زینت اور

آپس میں فخر (غرور) اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے خود کو زیادہ بتانا ہے"

{وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى}[45] "اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہو گا"

ان آیات کریمہ میں انسان کو لبھانے والی اشیاء کی تعداد مختلف بتائی گئی کہیں سات تو کہیں پانچ اور کہیں دو بتائی گئی ہے ان کی رغبت انسان کی فطرت میں موجود ہے اور دین فطرت ہونے کی حیثیت سے اسلام ان خواہشات کو کچلتا نہیں ہے بلکہ ان کو ایک مناسب حد کے دائرہ میں لے آتا ہے جو انسان کو ایک متوازن اور معتدل زندگی کا تصور دیتا ہے جس سے انسان کی شخصیت کی تعمیر بہترین طرز پر ممکن ہوتی ہے۔

میاں عبد الرشید لکھتے ہیں: انسان روح، عقل اور بدن تینوں کا مجموعہ ہے اس لیے تعمیر شخصیت کا صحیح پروگرام وہی ہو سکتا ہے کہ جس میں ان تینوں روح، عقل اور بدن کے تقاضے پورے ہوتے ہوں وہ پروگرام ایسا نہ ہو جس میں صرف بدنی ضروریات پوری کرنے پر اتنا زور ہو کہ انسان حیوانِ محض بن کر رہ جائے، اس کی عقل موٹی ہو جائے اور روح لاغر ہو جائے، نہ ہی وہ پروگرام ایسا ہو جس میں محض عقل کو اتنی اہمیت دی گئی ہو کہ انسان بحث و تمحیص یا ابلیسی مکر و فریب کو ہی زندگی کا ماحصل سمجھ بیٹھے اس کے ہاتھ سے رشتہ عمل بھی چھوٹ جائے اور وہ جذبہ محبت و ایثار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، اسی طرح وہ پروگرام ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے جو انسان کو روحانی کیفیات میں اتنا منہمک رکھے کہ وہ علم و عمل سے بیگانہ محض ہو کر رہ جائے نہ اس میں دنیا کے معاملات کا شعور رہے اور نہ ہی یہاں کے کام کرنے کا جذبہ باقی رہے۔[46]

نتائج (Conclusion)

انسان زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہے اس لیے صفاتِ خداوندی کا عکاس اور مظہر ہے۔ اس کا راز داں اور امین ہے۔ نفس سے مراد انسانی ذات یا شخصیت ہے۔ اپنی ذات کو گناہوں سے پاک کرنے کو اصطلاح میں تزکیہ نفس کہا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی شخصیت میں سے برائیوں کو ختم کرنا اور اچھائیوں کو پروان چڑھانا۔ اس تزکیہ کا مقصد نفس کو فنا کر دینا نہیں ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانوں کی جو اقسام بیان کی ہیں وہ انہی دو عناصر کی بنیاد پر ہیں، یعنی قوتِ ملکوتی اور قوت بہیمی۔ سب سے بلند درجے پر وہ لوگ ہیں جن کی ملکیت بھی بہت قوی اور بہیمیت بھی بہت قوی ہے. اس لیے کہ قوتِ کار اور قوتِ عمل دراصل بہیمیت ہی سے متعلق ہے۔ علماء کرام کی آراء کے مطابق انسانی نفس کا اصل جوہر ادراک ہے اس کے بغیر انسان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پھر ادراک جیسا کہ ظاہر ہے

صرف جزئیات کا ادراک نہیں ہے، بلکہ کلیات اور حقائق کا ادراک بھی ہے اور ہمارے نفس کی یہی وہ صفت ہے جو درحقیقت اس کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے ورنہ وہ ایک جانور سے زیادہ اہمیت دیئے جانے کا مستحق نہیں قرار پاتا۔ یہ کلیات کا ادراک اس کے لیے تعقل و تفکر کی وسیع راہیں کھولتا ہے، اسی سے اس کے تمام علوم و افکار اور تمام عقائد و نظریات وجود میں آتے ہیں اسی کی مدد سے وہ ظاہر سے باطن او مجاز سے حقیقت تک پہنچتا ہے، اسی کی رہنمائی میں وہ مخلوق سے خالق اور مصنوع سے صانع تک رسائی حاصل کرتا ہے، اسی کی روشنی میں وہ مصنوع کو دیکھ کر صانع کی صفتوں اور اس کی پسند اور ناپسند کا اندازہ کرتا ہے اور پھر اسی کی مدد سے وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے لیے زندگی کی صحیح روش کیا ہے اور اس پر بحیثیت ایک انسان کے کیا فرائض اور کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو اسے کس احساس مسئولیت اور کس مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ عصر حاضر میں بنی نوع انسان امن و اطمینان کی تلاش میں سرگرداں حیران، پریشان ہے۔ بنی آدم کا لہو ارزاں اور سستا ہو چکا ہے۔ لوگوں کے مابین جابجا نفرتیں اور عداوتیں ہیں۔ اقتدار اور کامیابی کی خاطر انسانی اقدار روندی جارہی ہیں۔ خواتین کی عصمت دری نقطۂ عروج پر ہے حتیٰ کہ آج کل تو معصوم بچے تک محفوظ نہیں رہے ۔مشرق ہو یا مغرب ہر طرف انسان ظلم و بربریت، فرقہ واریت، دہشت گردی، انتہا پسندی اور تنگ نظری کی آگ میں جل رہا ہے۔ انسان اندرونی و بیرونی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اپنی جبلت و فطرت کو فراموش کر کے کبائر کی آلودگیوں میں بری طرح مبتلا ہے۔ ان حالات میں سب سے قیمتی چیز جو داؤ پر لگی ہے وہ از خود انسانیت ہے، اخلاقیات اور معاشرتی اقدار ہیں۔ انسان کی فطرت، جبلت، روح کی تشکیل میں تو یہ وحشت و بربریت موجود نہیں ہے علماء کرام اور صوفیاء کرام انسان کی تشکیل و ساخت اور اس کی نفسیات کے متعلق بہت واضح اور مثبت اپروچ رکھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اپروچ کا پرچار کیا جائے ظلم کی چکی میں پستا ہوا، ذات پات اور فرقہ واریت کے جھگڑوں میں لہولہان انسانیت آج پھر صوفیا سے امن کی خیرات طلب کر رہی ہے۔ امنِ عالم کے لیے پھر اس تصوّف کی ضرورت ہے جس سے کائنات میں محبت، اخوت، اخلاق اور روحانیت کو روا رکھ کر انسانی جانوں کو تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ دنیا امن و سکون کی حقیقت سے روشناس ہو۔ تصوّف کے بغیر موجودہ انسان اس تمام تر ترقی و عروج کے باوجود مکمل تباہی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ زندگی کی تیز رفتاری اور وقت کی مصروفیات میں ہم نے تصوّف کو نظر انداز کر دیا ہے، اسے پھر سے اپنانا ہوگا تب ہمیں امان مل سکتی ہے۔ اس کے بغیر زندگی، معاشرہ اور فرد میں اعتدال و توازن کا رشتہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس مضمون میں صرف تین حکماء

کی آراء کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے انسانی شخصیت کی تعمیر، انسانی نفس کے فطری تقاضوں اور ضبطِ نفس کے متعلق بہت سی معروف شخصیات جیسے ابن سینا، علامہ اقبال، مولانا اشرف علی تھانوی وغیر ھم کے پر مغز مباحث موجود ہیں جنہیں طوالت کے خوف سے موضوع کا حصہ نہیں بنایا گیا۔

مزید تحقیق کے لیے چند ممکنہ نکات

اس موضوع کے متعلق مزید تحقیق کے لیے مندرجہ ذیل نکات زیر بحث لائے جاسکتے ہیں:

1: قرآنی ابلاغ کی روشنی میں انسانی شخصیت کے بنیادی عناصر اور اس کی نشو و ارتقاء کے اہم عوامل کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

2: قرآنی ابلاغ کی رُو سے تصورِ تشکیل انسانی کے نفسیاتی اثرات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

۳: قرآنی بلاغ کے اسالیب اور طُرق کی نفسیاتی تاثیر کا جائزہ لیا جاسکتا ہے جو کہ تعمیر شخصیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

4: عصری تناظر میں انسانی شخصیت میں ٹوٹ پھوٹ اور اضمحلال کا جائزہ لے کر قرآن حکیم کی روشنی میں اس کے حل کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ الاحزاب33:21
2۔ آل عمران3:31
3۔ البقرۃ2:2
4۔ المائدہ5:3
5۔ نجاتی، محمد عثمان، الدکتور، القرآن وعلم النفس، دار الشروق، القاہرہ۔ مصر، الطبعۃ السابعۃ، 1421ھ۔ 2001م، ص:223،224
6۔ ص38:71،72
7۔ الحجر15:28،29
8۔ ابن قیم، الجوزیہ، ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر (م:691ھ۔751ھ) کتاب الروح، دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع، الطبعۃ الأُولی:1432ھ، 2/615
9۔ نجاتی القرآن وعلم النفس، ص:226،227
10۔ الاسراء17:85
11۔ ارشد، عبدالرشید، ڈاکٹر، انسان کی ماہیت، لاہور: شاہ تاج مطبوعات، 1996ء، ص:5
12۔ السیوطی، جلال الدین بن عبدالرحمن بن اَبی بکر (911ھ)؛ جلال الدین محمد بن اَحمد المحلی (864ھ)، تفسیر الجلالین، العربیۃ السعودیۃ: دار السلام للنشر والتوزیع، المکتبۃ۔ ط۔ن، ص:597
13۔ علی اکبر منصور، مسلم نفسیات، لاہور: شام کے بعد پبلی کیشنز، مئی1998ء، ص:20
14۔ الفرقان25:43،44
15۔ یوسف12:53
16۔ القیامۃ75:1،2
17۔ الفجر89:27،30
18۔ الغزالی، ابوحامد محمد، الرسالۃ اللدنیہ فی العقود اللالی من رسائل الامام الغزالی، القاہرہ: المطبع المحمودیۃ التجاریۃ ب ت، ص:7
19۔ الغزالی، ابوحامد محمد، القشیری الرسالۃ، القاہرہ: المطبع المحمودیۃ التجاریۃ، ب ت، ص:57
20۔ الغزالی، ابوحامد محمد، معارج القدس (تحقیق فرج اللہ الکردی) القاہرہ: مطبعۃ السعادۃ، 1346ھ، ص:10

21۔ الاعراف 172:7

22۔ الغزالی، ابوحامد محمد، احیاء علوم الدین، القاہرہ: المطبع العثمانیہ، 1352ھ، 2/3

23۔ الغزالی، ابو حامد محمد، معراج السالکین (تحقیق فرج اللہ الکردی) فی فوائد اللالی القاہرہ، 1344ھ، ص:13

24۔ الرسالۃ اللدنیہ فی العقود اللالی من رسائل الامام الغزالی، ص:23

25۔ الغزالی، ابوحامد محمد، احیاء علوم الدین، المطبع العثمانیہ القاہرہ، 1352ھ، 4/3 (الغزالی، ابوحامد محمد، معراج السالکین (تحقیق فرج اللہ الکردی) فی فوائد اللالی القاہرہ، 1344ھ، ص:174

26۔ الغزالی، ابوحامد محمد، کیمیائے سعادت، ص:510

27۔ احیاء علوم الدین، 29/3

28۔ احیاء علوم الدین، 55/3

29۔ الغزالی، ابوحامد محمد، کیمیائے سعادت، ص:504

30۔ احیاء علوم الدین، 16،15/4

31۔ الرازی، ابوعبداللہ محمد فخر الدین، کتاب النفس والروح وشرح قواھما، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، 1968ء، ص:75،74

32۔ رازی، کتاب النفس، ص: 64،63

33۔ رازی، کتاب النفس، ص:12،11

34۔ حوالہ ایضاً، ص:44،43

35۔ حوالہ ایضاً، ص:64،63

36۔ حوالہ ایضاً، ص:75،74

37۔ حوالہ ایضاً، ص:80،79

38۔ حجۃ اللہ البالغۃ (اعتنی بہ محمد طعمۃ حلبی)، 48,47/1 ملخصاً

39۔ الدھلوی، شاہ ولی اللہ، البدور البازغہ، مجلس علمی ڈھابیل، 1354ھ، حجۃ اللہ البالغۃ، 65,64/1 ملخصاً

40۔ الدھلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، 67/1

41۔ ڈاکٹر محمد امین، اسلام اور تزکیہ نفس (مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ط:1، 2004ء، ص:514

42۔ آل عمران 14:3

43 ۔ محمد 36:47

44 ۔ الحدید 20:58

45 ۔ النازعات 40:79

46۔ میاں عبد الرشید، اسلام اور تعمیر شخصیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ط:1976ء، ص:7